ترتیب وتدوین: جناب ڈاکٹر محمود الحسن عارف
شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور

رودادِ تقریب رونمائی......منفرد کتاب
مشاہیر بنام شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ از مولانا سمیع الحق

منعقدہ الحمراء ہال نمبر ۳......مورخہ ۲۳ اپریل ۲۰۱۲ء

کتابوں کی تالیف وتدوین کا سلسلہ ہزاروں سالوں سے جاری وساری ہے اور شاید زمین پر آخری انسان کی موجودگی تک جاری رہے گا، تاہم کتاب کتاب اور مصنف مصنف میں فرق ہوتا ہے۔ بعض کتابوں کی عمر مہینے دو مہینے، سال، دوسال یا چند سال ہوتی ہے اور بعض کتابیں سدابہار ہوتی ہیں اور زمانے اور وقت ان پر اثر انداز نہیں ہوسکتے اور ان کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ ''ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما''

حال ہی میں شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق نے مشاہیر بنام...... '' کے عنوان سے جو کتاب مرتب کی ہے اور جس میں انہوں نے قریباً 1512 افراد کے خطوط کا ذخیرہ سات جلدوں میں مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب بھی ایسی ہی کتابوں میں شامل ہے۔

دنیا میں مکتوب نگاری کا سلسلہ اس وقت سے چلا آتا ہے جب سے انسان نے نوشت وخواند سیکھی ہے۔ قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملکہ بلقیس کے نام خط کا ذکر ہے۔ جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کو مطیع ہوکر دربار میں حاضری کی ہدایت کی ہے

اسی طرح عظمت اور جلالت کے لحاظ سے وہ خطوط بھی بڑی عظمت اور مقبولیت رکھتے ہیں جو آنحضور ﷺ نے دنیا کے مختلف حکمرانوں، قبائلی سرداروں اور مذہبی عمائدین کے نام تحریر فرمائے۔ ان خطوط کو تمام محدثین، سیرت نگاروں، مورخین اور فقہائے کرام نے جمع کیا ہے اور یہ سلسلہ اب تک جاری وساری ہے۔ ان سب خطوط کو حال ہی میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے الوثائق السیاسہ کے عنوان سے مدون کر کے شائع کردیا ہے۔

آنحضور ﷺ کے علاوہ، خلفائے راشدین، اموی اور عباسی خلفاء، وسط ایشیاء، ایران، افغانستان، ہندوستان اور دوسرے اسلامی ملکوں کے حکمرانوں کے خطوط کے بیسیوں مجموعے اس وقت مختلف لائبریریوں کی زینت ہیں۔ اور انہیں تاریخی اور علمی دستاویز کے طور پر محفوظ کرلیا گیا ہے۔

اس مجموعہ کے مؤلف شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق ایک علمی اور مذہبی گھرانے کے معزز فرد ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۹۳۷ء میں، شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے گھر میں ہوئی اور انہی کی آغوش تربیت میں تربیت پاکر جوان ہوئے۔

۱۹۵۷ء سے آپ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں بطور مدرس وابستہ ہیں۔ جبکہ ۱۹۶۵ء سے ''الحق'' نام سے پاکستان کا معروف ترین اور مقبول ترین رسالہ ''الحق'' چلارہے ہیں۔ اور اس وقت تک دسیوں وقیع علمی اور تحقیقی کتابیں، ان کے قلم سے نکل چکی ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی وفات ۱۹۸۸ء کے بعد دارالعلوم کی تمام ادارتی اور انتظامی معاملات بھی آپ بڑی مستعدی اور جان فشانی سے انجام دے رہے ہیں۔ مجلس شوریٰ اور سینٹ کے رکن کے طور پر اور موجودہ دفاع پاکستان کونسل کی سربراہی سے لے کر متعدد قومی اور ملی اداروں کی سربراہی کا اعزاز رکھتے ہیں۔ تمام مکاتیب فکر کے علماء اور زعماء ان کی قیادت کے پرچم تلے متحد ہوکر پاکستان کی سالمیت، اس کی بقاء اور اس کی آزادی کے لئے مصروف عمل رہے ہیں، اور اس وقت بھی ہیں اور آئندہ بھی یہ کارواں اسی طرح جانب منزل رواں دواں رہے گا۔

مشاہیر بنام..... مولانا سمیع الحق کی برسوں کی کاوشوں اور محنت کا نتیجہ ہے۔

اس مجموعہ مکاتیب کے منظر عام پر آنے کے بعد ملکی سطح پر اس کی خوب پذیرائی ہوئی اور زندگی کے تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد نے اس کو بے حد سراہا۔

اس ضمن میں عالمی رابطہ ادب اسلامی پاکستان نے جمعیت طلبائے اسلام پاکستان کے تعاون کے ساتھ الحمراء ہال نمبر ۳ میں مورخہ ۲۳ راپریل ۲۰۱۲ء　یکم جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ بروز سوموار بوقت ۳ بجے سہ پہر اس کی تقریب رونمائی انعقاد پذیر ہوئی۔ جس میں صحافت، تحقیق و تدریس، قانون و انصاف، اور دین و سیاست سے تعلق رکھنے والی پاکستان کی نامور اور مقتدر شخصیات نے شرکت کی۔ میزبانی کے فرائض خاکسار نے انجام دیئے۔ اس روح پرور اور زندگی بخش تقریب کی ابتداء تلاوت قرآن حکیم سے ہوئی۔ حافظ محمد اسامہ حقانی فرزند مولانا عبدالرؤف فاروقی نے تلاوت کی اور قاری عمر فاروق (صدر مدرس آسٹریلیا مسجد لاہور) نے نعت مبارک پیش کی۔

بعدازاں کانفرنس کے نقیب احقر (محمود الحسن عارف) نے ابتدائی تعارفی کلمات پیش کرتے ہوئے کہا کہ شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں اور ہر پہلو ان کی شخصیت کو دوسروں کے لئے جاذب نظر بناتا ہے۔
ان کی شخصیت کا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ برسوں پاکستان کے سب سے بڑے دینی تعلیمی ادارے کے وائس چانسلر ہیں اور اس عرصے میں کبھی ان کے مدرسہ میں ہڑتال ہوئی نہ کام بند ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ ایک کامیاب سیاست دان اور سیاست کار بھی ہیں، جمعیت علماء اسلام (س) کے کئی برس تک جنرل سیکرٹری رہے۔ اور پھر صدر چلے آئے ہیں اور کئی سیاسی اتحادوں، جن میں آئی جے آئی اور ملی یک جہتی کونسل اور موجودہ دفاع پاکستان کونسل شامل ہیں، کے بانی اور

سربراہ رہے ہیں اس کے ساتھ ساتھ آپ ایک بہت اچھے ادیب، دانشور صحافی اور مصنف بھی ہیں اور اس حقیقت سے آپ برسوں سے الحق کے مدیر اعلیٰ اور متعدد کتابوں کے مؤلف بھی ہیں۔

مولانا کی جو کتاب حال ہی میں طبع ہوئی ہے اور جس کی آج تقریب رونمائی ہے یہ کتاب بیسیوں کتابوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں شامل ہر شخصیت کے مکتوبات ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتے ہیں اس طرح گویا یہ پندرہ سو کتابوں کا مجموعہ ہے۔

مشاہیر کے ان شہ پاروں (خطوط) کو جمع کرنے اور ان کو ترتیب دینے میں انہوں نے جو محنت اور کاوش کی ہے وہ بجاطور پر لائق تحسین و آفریں ہے۔ مولانا نے جلد اول کے دیباچے میں لکھا ہے:

"شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ اور احقر ناچیز سمیع الحق کے نام مکاتیب کا یہ ذخیرہ پون صدی سے زیادہ عرصہ کے علمی ادبی سیاسی روحانی شخصیات کے خطوط پر مشتمل ہے جس کا پہلا مجموعہ (مشاہیر بنام شیخ وقت محدث کبیر شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے نام لکھے گئے خطوط پر مشتمل ہے اس کے بعد احقر کے نام مکتوبات ہیں جو حروف تہجی کی ترتیب سے کئی جلدوں میں مرتب ہوئے ہیں۔ ابھی شعور کا آغاز ہی تھا اور پورے طور پر علم وفن کے مبادی سے بھی ناواقف تھا عمر آٹھ نو سال کے لگ بھگ تھی حضرت والد ماجد نور اللہ مرقدہ کی روزانہ کی ذاتی ڈاک میں کتب کیساتھ ساتھ خطوط کی خاصی تعداد بھی ہوتی اور یہ خطوط میرے بچپن کے ذوق وشوق کا پہلے پہل سامان بن گئے بلکہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ دوات کی سیاہی کی خوشبو، قلم کی روانی کا نغمۂ صریر خامہ کا بانکپن اور رنگ برنگ لفافوں اور خطوط کی چمک دمک گویا میری گھٹی میں شامل ہوگئی تھی۔ اسی لئے میرے بچپن کے زمانے کے کھلونے غالباً پہلے پہل یہی قلم دوات، خطوط، رنگین کارڈ اور ٹکٹ رہے ہوں گے" (ص ۳)

مولانا نے صرف خطوط ہی جمع نہیں کئے بلکہ ان کے لکھنے والوں پر مختصر، مگر جامع سوانحی نوٹ بھی تحریر کئے ہیں۔ یہ نوٹ ان کے خصوصی ذوق وشوق اور ان کی دوستوں اور بزرگوں سے محبت کے عکاس ہیں۔

اجلاس میں بڑی تعداد میں علماء، مشائخ، سیاسی اراکین، صحافی، اساتذہ اور محققین نے شرکت کی۔ مقررین کے علاوہ پیر سیف اللہ خالد، علامہ حافظ محمد طاہر اشرفی، جناب راشد الحق حقانی، ظہیر الدین بابر، جناب رؤف طاہر، پروفیسر امجد علی شاکر، عرفان الحق، مخدوم آصف، اور دوسرے کئی حضرات نے شرکت کی۔ اس کے بعد تقریب میں شریک اہل علم وفضل نے اس کتاب کے متعلق اظہار خیال کیا، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

ڈاکٹر محمد سعید صدیقی: صدر عالمی رابطہ ادب اسلامی پاکستان اور ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی۔

اس مجلس میں اپنی حاضری پر میں منتظمین کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اس علمی اور فکری ذخیرے کی طباعت پر شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور یہ کہ میرے لئے اس مجلس میں حاضری باعث سعادت ہے۔

ہزار ہا سالوں سے خطوط پیغام رسانی کا ذریعہ رہے ہیں' اور خطوط کی ترسیل اور مکتوب الیہ تک اسے پہنچانے کیلئے کسی زمانے میں کبوتروں کا استعمال بھی ہوتا رہا' اور قرآن کریم میں ہدہد کا نام بھی مذکور ہے۔ مگر عرصہ دراز سے انسان ہی اس کے رسل ورسائل کے لئے استعمال ہورہے ہیں۔

کسی بھی زبان وادب کی تاریخ جب مرتب کی جاتی ہے تو مکتوب نگاری کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے' چنانچہ عربی زبان وادب کی تاریخ جب بھی مرتب کی جاتی ہے تو اس میں مکتوب نگاری کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ اردو ادب میں بھی غالب کے خطوط وغیرہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اور اسی طرح دینی ادب میں نبی اکرم ﷺ کے خطوط کا تذکرہ ملتا ہے' جو آپ نے مختلف حکمرانوں اور قبائلی عمائدین کے نام ارسال فرمائے۔ ان خطوط نے جو انقلاب برپا کیا' وہ انقلاب بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ آپ کے خط کو جس ہستی نے سینے سے لگایا ان کی جب وفات ہوئی تو حبشہ اور مدینہ منورہ کے درمیان تمام پردے ہٹا دیئے گئے اور آنحضور ﷺ نے بذات خود ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور جس بدبخت نے آپ کے خط کو پارہ پارہ کیا اللہ تعالیٰ نے اس کی سلطنت کو پارہ پارہ کردیا۔ آنحضور ﷺ کی سنت مطہرہ کو دیکھتے ہوئے ہمارے علماء کرام نے بھی مراسلہ نگاری اور مکتوب نگاری کو بطور ایک تعلیم وتربیت کے ایک ذریعہ کے اختیار کیا' حاجی شریف صاحب' مولانا اشرف علی تھانوی کے ایک خلیفہ مجاز فرماتے ہیں کہ میں مولانا تھانویؒ کو خط لکھ کر جس دن ارسال کرتا' مجھے اسی دن یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ مولانا تھانویؒ کی طرف سے اس کا جواب کس دن آئے گا۔ چنانچہ کئی برسوں کی خط وکتابت کے دوران مولانا تھانویؒ کی طرف سے جواب کبھی مؤخر نہیں ہوا سوائے ایک خط کے۔ جو ایک دن اس لئے لیٹ ہوا کہ میں تبدیل ہو کر دوسرے اسکول میں چلا گیا تھا۔

مولانا سمیع الحق کے مرتبہ ان خطوط میں مجھے اہم ترین خطوط نظر آئے وہ ۱۳۶۶ھ۔ ۱۹۴۶ء اور ۱۹۴۵ء کے ہیں اور جو قریب ترین خطوط ہیں۔ وہ ۲۰۰۸ء اور ۲۰۰۹ء کے ہیں' اور یہ واقعتہً پون صدی کی ایک تاریخ ہے' جسے آپ سیاسی اور مذہبی تاریخ بھی کہہ سکتے اور اسے پاکستانی ادب کا اور تعلیم وتربیت کا ایک ذریعہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ پھر ہر کتاب میں لکھنے والا چونکہ ایک ہی ہوتا ہے' اسی لئے آپ کو پوری کتاب میں ایک ہی اسلوب ملے گا۔ مگر اس کتاب میں پون صدی کی تاریخ مختلف لکھنے والوں کے ذریعے ملتی ہے۔ اور مختلف انداز ہائے تحریر کی صورت میں بقول شاعر...... ع ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است

مولانا سمیع الحق نے کتاب کے دیباچے میں لکھا ہے کہ انہیں بچپن ہی سے ٹکٹیں اور ماچسیں جمع کرنے کی بجائے خطوط جمع کرنے کا شوق تھا۔ یہ واقعہ آج کی نسل کو بتانے کی ضرورت ہے کہ واقعتاً انسان شوق اس طرح کے بھی رکھ سکتا ہے۔ اور بچپن میں ہی رکھ سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ علم وادب کی بہت بڑی خدمت اور لوگوں کی تربیت کا بہت بڑا سامان ہے' جس کی پاکستان کے معاشرے میں کوئی اور مثال موجود نہیں۔

مولانا عبدالقیوم حقانی: (معروف صحافی، عالم دین اور ۱۰۰ سے زیادہ کتابوں کے مؤلف)

مشاہیر بنام شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ؒ اور مشاہیر بنام مولانا سمیع الحق سات جلدوں میں چھپ کر منظر عام پر آ گئی ہے۔ غالب نے کہا تھا: ؎ چند تصویر بتاں چند حسینوں کے خطوط بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا

مولانا سمیع الحق نے جو میرے استاذ، میرے محسن، مرے مربی اور میرے شیخ ہیں، اس میں ترمیم کردی ہے:

؎ چند اوراق بتاں چند بزرگوں کے خطوط بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا

مولانا سمیع الحق کی عمر ابھی محض نو برس تھی اس وقت ان کے والد محترم کے پاس جو خطوط آتے وہ انہیں ایک تھیلے میں محفوظ رکھتے تھے۔ مولانا اس تھیلے تک پہنچتے......اس میں سے خطوط نکالتے......انہیں اپنی کاپی پر نقل کرتے، میں نے خود چھوٹے چھوٹے کاغذوں کے ٹکڑے دیکھے ہیں، جن پر کبھی مولانا مدنی کا نام ہوتا، کبھی مولانا اعزاز علی دیوبندی کا اور کبھی مولانا عبدالسمیع کا۔ اس طرح انہوں نے جو مجموعہ تیار کیا، جو سات جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ اپنے موضوع کے لحاظ سے دنیا میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔

شیخ الاسلام مولانا تقی عثمانی، دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے۔ وہاں دورۂ حدیث کے پندرہ سو طالب علموں سمیت کوئی چار ہزار علماء وطلباء کا مجمع تھا اور تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ مولانا نے اس مجمع میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ عربی، اردو، فارسی اور انگریزی میں انہوں نے خطوط کی صدہا کتب مطالعہ کی ہیں اور یہ ان کے ذوق کی چیز ہے۔ مگر انہوں نے اس طرح کی کوئی کتاب ملاحظہ نہیں کی گویا میں خطوط کے انسائیکلوپیڈیا کی زیارت کر رہا ہوں، اور اس میں مولانا تقی عثمانی کے بھی نوے خطوط ہیں۔

خطوط کے اس مجموعہ میں ڈیڑھ ہزار مشاہیر کے خطوط ہیں، جن میں ادباء، شعراء، مصنفین، علماء، مشائخ، سیاست دان، اساتذہ اور حکمران بھی لوگ شامل ہیں بلکہ ایک تبصرہ نگار نے تو یہاں تک لکھا تھا کہ مولانا سمیع الحق کے ذوق کی داد دیجئے کہ ان کے ہاں خط بھیجنے کا لفافہ پتہ اور اس کا رسم الخط بھی محفوظ ہے۔

اس طرح تقریباً پانچ ہزار سے زائد خطوط بحمد اللہ مرتب ہو گئے ہیں۔ پھر مولانا سمیع الحق صاحب نے ہر مکتوب نگار کا حواشی میں مختصر تعارف کروایا ہے۔ آپ نے شورش کاشمیری کے لکھے ہوئے خاکے پڑھے ہونگے، مگر جب آپ مولانا سمیع الحق کے خاکے پڑھیں گے تو آپ کو ان میں شورش کاشمیری بھی ملے گا اور مولانا سید سلیمان ندوی سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔ مثال کے طور پر انہوں نے...... پاکستان کے سابق ڈکٹیٹر پرویز مشرف کا تعارف کرواتے ہوئے لکھا ہے کہ ''ننگ دین، ننگ ملت اور ننگ وطن، اور پرویز مشرف کا اس سے بہتر تعارف ممکن ہی نہیں۔

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ساتویں جلد کا کچھ تعارف کرواؤں، اس جلد میں افغانستان کے علماء، مشائخ اور مجاہدین کا ذکر ہے، مثلاً حکمت یار گلبدین، محمد نبی محمدی، جلال الدین حقانی، مولوی یونس خالص، مولانا منصور نے اس

جلد کو اتنا جامع پایا ہے کہ افغانستان کی موجودہ تحریک میں کوئی مجاہد، سیاست دان اور زعیم ایسا نہیں کہ جس کے خطوط اس جلد میں موجود نہ ہوں۔ مولانا محمد عمر کے خطوط بھی موجود ہیں اور آدھی کتاب طالبان کے خطوط پر مشتمل ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ جب افغانستان میں تبدیلی آئی اور امریکہ اور اس کے حواریوں نے وہاں آسمان سے لوگوں پر آگ برسانا شروع کی...... جس کے نتیجے میں یہاں لوگوں نے پگڑیاں پھینک دیں اور اپنا قبلہ اور رُخ بدل لیا۔ اس دور میں بھی مولانا سمیع الحق نے مغرب کے خلاف آواز بلند کی اور انہوں نے ''اسلام اور دہشت گردی'' کے عنوان سے اپنے وہ تمام انٹرویو جمع کئے اور برملا طالبان کی حمایت کرتے رہے۔

جن کو ترتیب دینے کی سعادت مجھے حاصل ہوئی، ان انٹرویوز میں مولانا نے مغرب کو کھلے لفظوں میں یہ بتلایا کہ طالب علم ہماری اولاد ہیں، جہاد ہماری روح ہے اور جب تک کائنات میں اسلام اور مسلمان ہیں، جہاد باقی رہے گا۔ اور جب تک دنیا میں کوئی کلمہ گو باقی ہے وہ جہاد کا جھنڈا اٹھائے گا۔ اور جب اس کتاب کی اشاعت کا مرحلہ آیا تو بہت سے جغادری قسم کے علماء مولانا کے پاس آئے اور کہا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ یہ تو آپ گویا یہ کہہ رہے ہیں کہ آ بیل مجھے مار...... اس میں آپ نے اسامہ بن لادن، ملا عمر، طالبان زعماء اور مجاہدوں کا ذکر کیا ہے اور پھر جہاد کا ذکر ہے۔ آپ طالبان کی بات بیلجیئم، لندن اور دوسرے مغربی ممالک میں کر رہے ہیں۔ اس زمانے میں سینیٹرز حضرات کا ایک وفد خارجہ کمیٹی کے چیئرمین مشاہد حسین سید کی سربراہی میں مغربی ممالک کے دورے پر گیا۔ جس کے بارے میں وہاں بڑا پروپیگنڈہ ہوا کہ طالبان آرہے ہیں، بظاہر انہیں بڑا پروٹوکول ملا۔ مگر حقیقت میں وہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ فادر آف طالبان کیسا ہے؟ چنانچہ مولانا کی قدِ آدم تصاویر چھاپی گئیں۔ ناخن تک دکھائے گئے کہ طالبان کے ناخن ایسے ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے مشن نہیں چھوڑا۔ ان پر برطانیہ میں داخلے پر پابندی لگائی گئی، مولانا کو ڈرایا گیا کہ دارالعلوم حقانیہ تباہ ہو جائے گا اور اس پر ضرور حملہ ہوگا، لیکن مولانا نے فرمایا: جہاد دارالعلوم حقانیہ کا مشن ہے، جہاد اسلام کی پہچان اور محمد عربی کی وراثت ہے۔ اس لئے جہاد، طالبان اور ملا محمد عمر کا ذکر یہاں ہوتا رہے گا اور نظام خلافت راشدہ کی دعوت دی جاتی رہے گی۔

ے ناصح میں تو سمجھتا ہوں لیکن یہ دل ترى باتوں کو تو چٹکی میں اڑا دیتا ہے۔

دوسری طرف مولانا کی متنوع مصروفیات کا یہ عالم ہے کہ دارالعلوم حقانیہ میں دورہ حدیث کے پندرہ سو کو پڑھاتے ہیں اور کل پانچ ہزار طلبہ ہیں۔ یہ طلبہ وہ ہیں کہ جو صوبہ سرحد اور پاکستان کے مختلف حصوں سے تعلیم حاصل کرنے آئے ہیں اور جہادی جذبہ رکھتے ہیں اور طالبان میں اسی فیصد طلبہ کا اسی درسگاہ سے تعلق ہے، پھر مولانا کو روزانہ بخاری شریف پڑھانا ہوتا ہے، ان کی اپنی سیاسی جماعت ہے، جس کا مخصوص نصب العین ہے، اور متحدہ دفاع پاکستان کونسل کی مصروفیات اور سرگرمیاں بھی ہیں۔ ماہنامہ الحق کو پورا دیکھتے ہیں اور ترتیب دیتے ہیں۔ پھر آپ خطوط جمع کرتے ہیں ان کو کمپوز بھی

کراتے ہیں، اور ان پر حواشی بھی لکھتے ہیں اس سے بڑھ کر تعجب کی اور کیا بات ہوگی؟

مولانا عبدالرؤف فاروقی (جنرل سیکرٹری جمعیت علماء اسلام، معروف عالم دین)

خطوط اور مکاتیب کا سلسلہ انسانی تاریخ کے ساتھ ہمیشہ سے وابستہ رہا ہے۔ اظہار مافی الضمیر اور اپنے جذبات کے اظہار کا یہ سب سے بہترین طریقہ رہا ہے۔ پھر یہ بات بھی آپ سب حضرات کو معلوم ہے کہ کسی زمانے میں کبوتروں کے ذریعے پیغام رسانی ہوتی تھی، اور قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط ہدہد کے ذریعے بھجوانے کا ذکر ہے۔ اور اس خط کی اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم میں اسے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ یہ خط ان الفاظ میں مذکور ہے:

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ

(یہ خط سلیمان کی طرف سے ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے...... یہ کہ تم مرے خلاف سرکشی نہ کرو اور فرماں بردار ہو کر میرے پاس چلے آؤ...... اور اس پر ملکہ بلقیس نے جو تبصرہ کیا وہ یہ تھا کہ

يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ (النحل)

(سرداروں میری طرف ایک معزز خط ڈالا گیا ہے) اس حوالے سے اہم بات یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو خط تحریر کیا، اسے بھی اور ملکہ بلقیس کے اس پر تبصرہ...... دونوں کو قرآن حکیم میں محفوظ کر دیا گیا ہے، پھر اسلامی تاریخ میں مکتوبات کا ایک عظیم سلسلہ ہے، ان میں مشائخ عظام کے ایسے مکتوبات ہیں، جو اپنے متوسلین اور سالکین کے لئے ہیں، اس فہرست میں حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات، مکتوبات امام ربانی ہیں، اسی طرح مولانا ابوالکلام کی ''غبار خاطر'' ایسے مکتوبات ہیں، جو انہوں نے قلعہ احمد آباد میں سحری کے وقت تحریر کئے۔ یہ خطوط ایک ایسی شخصیت کو لکھے گئے، جو انہیں بے حد محبوب تھی۔ ان خطوط میں مولانا سمیع الحق نے تاریخ کا علم وادب جمع کر دیا ہے، اگر آپ انہیں دیکھیں تو آپ دیکھیں گے کہ یہ علم وادب کی ایک وسیع دنیا اور ایک سمندر ہے، جسے مولانا نے غبار خاطر میں جمع کر دیا ہے، پھر تاریخ میں بہت سی سیاسی مکاتیب کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ جیسے کہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خطوط ہیں، جن کی اپنی اہمیت اور اپنی مخصوص حیثیت ہے، یہ خطوط، سیاسی، تدبر، حکمت عملی اور جہاد کے اس جذبے پر مشتمل ہیں، جو اس زمانے برطانوی سامراج کے خلاف تھا، اور اب امریکی سامراج کے خلاف ہے۔

یہاں مجھے مولانا سمیع الحق کی شخصیت کا بحیثیت امیر جمعیت علماء اسلام اور بحیثیت امیر دفاع پاکستان کونسل کے احاطہ مقصود نہیں، ان کے خطوط کے حوالے سے گفتگو مقصود ہے۔ دراصل قلم، تلوار اور زبان...... ان تینوں کی بڑی اہمیت ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے برائی کو روکنے کے لئے علی الترتیب ہاتھ، زبان کے استعمال کا حکم دیا ہے اور آخر میں برائی کو دل میں برا سمجھنے کی ہدایت کی ہے۔ لیکن زبان، قلم اور تلوار کا استعمال اور قلم کو اس طرح تلوار بنا لینا کہ دشمن کے سینے میں اس طرح پیوست ہو جائے کہ اسے نکالا بھی نہ جاسکے۔ ایک فن ہے بلکہ یہ ایک جذبہ ہے اور حریت اور فلسفہ جہاد ہے،

جو مولانا نے اپنے اکابر سے لیا ہے۔ مولانا نے ان مکتوبات کو سات جلدوں میں مدون کیا ہے۔ ان میں سے پہلی جلد بنام مولانا عبدالحق ہے، مولانا عبدالحق، دارالعلوم حقانیہ کے بانی دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور پھر وہاں کے ممتاز مدرس اور پارلیمنٹ کے رکن تھے، اور پارلیمنٹ بھی، ایک سول جابر شخص، ذوالفقار علی بھٹو کی...... مولانا عبدالحقؒ نے اس آمر مطلق کے خلاف آواز اٹھائی...... یہ بڑی جرأت اور ہمت کی بات ہے۔

جناب ذوالفقار علی بھٹو کے زمانے میں سقوط ڈھاکہ ہوا۔ اور اہل علم اس واقع کو یقیناً جانتے ہوں گے۔ جماعت اسلامی کے ایک لیڈر ڈاکٹر نذیر احمد نے پارلیمنٹ میں بھٹو کے سامنے کھڑے ہو کر کہا تھا کہ جناب بھٹو صاحب ایک وقت آئے گا جب ہو سکتا ہے کہ آپ ہوں اور نہ میں ہوں گا اس وقت مورخ سقوط ڈھاکہ کی تاریخ لکھے گا، لیکن کیوں نہ میں مؤرخ بن جاؤں...... اور آپ کے سامنے وہ تاریخ بیان کروں جو آئندہ کا مورخ لکھے گا، چنانچہ انہوں نے کہا کہ میں ایک مؤرخ کے طور پر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سقوط ڈھاکہ کے ذمہ دار جناب ذوالفقار علی بھٹو آپ ہیں، اور پھر دنیا نے دیکھا کہ بھٹو نے اس کی آواز کو خاموش کرادیا۔ اور ڈاکٹر نذیر احمد کو دن دہاڑے شہید کر دیا۔ مولانا عبدالحق نے اسی جابر کے سامنے کلمہ حق کہا اور ارشاد نبویؐ کی تعمیل کی کہ افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جابر (سب سے اچھا جہاد سلطان جابر کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے) اور مولانا کی آواز اس سلطان جابر کے سامنے گونجتی رہی۔ اور انہوں نے پورے پاکستان میں نفاذ شریعت کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ اس مجموعے کی پہلی جلد انہی کے نام ہے۔ جبکہ باقی چھ جلدیں مولانا سمیع الحق کے نام آنے والے خطوط پر مشتمل ہیں۔ حقیقت میں یہ خطوط اردو ادب کا شاہکار ہیں۔

پھر کہا گیا کہ یہ خطوط پون صدی کے ہیں، دراصل پون صدی کے تو یہ خطوط ہیں، مگر ان خطوط میں ان بزرگوں نے جو علم و ادب دیا ہے وہ صرف پون صدی کے نہیں، وہ پوری علمی تاریخ کا ورثہ ہے۔ اس طرح ایک اعتبار سے یہ خطوط پوری اسلامی تاریخ کا مظہر ہیں۔ میں اس کی ترتیب و تدوین پر مولانا سمیع الحق کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور اس کی بناء پر مولانا ان شاء اللہ تا قیامت زندہ رہیں گے۔

ارشاد احمد عارف (معروف ادیب، دانشور، جنگ کے کالم نویس)

میرے لئے اس محفل میں حاضری بہت بڑی سعادت ہے۔ ایک ایسی مجلس جس میں زعمائے سیاست بھی ہیں، خطیب بھی ہیں، صحافی اور دانشور بھی۔ جہاں تک کتاب کا تعلق ہے یہ کتاب سات جلدوں پر مشتمل ہے۔ مجھے چار دن قبل یہ کتاب ملی...... اور میرے لئے پوری کتاب کو پڑھنا ممکن نہ تھا البتہ میں پہلی اور آخری جلد پر کچھ عرض کرنا چاہوں گا۔

جیسا کہ اہل علم یہاں بیان کر رہے ہیں کہ مجموعہ ایک تاریخ ہے، اس میں علم و ادب بھی ہے، تجربات ہیں، اور کچھ سوالات ہیں اور بہت سی تاریخی چیزیں بھی ہیں، جس سے اس دور کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، علمی مسائل بھی ہیں اور

سیاسی حالات کا تجزیہ بھی ہے' مجھے اس میں دو چیزیں پڑھ کر بیحد حیرت بھی ہوئی اور ایک خوشگوار تاثر بھی ہوا۔ ان میں سے پہلی بات جناب برہان الدین ربانی سے مولانا سمیع الحق کی ملاقات کا ذکر ہے۔ جو تہران میں ہوئی...... یہ وہ ملاقات ہے جس سے اگلے ہی دن جناب برہان الدین ربانی ایک حادثے کا شکار ہو کر جان بحق ہو گئے۔

اس ملاقات کی خاص بات یہ ہے کہ جناب برہان الدین ربانی کی حکومت کو طالبان نے ختم کیا تھا جس کی بناء پر ربانی نے امریکی حملے کی حمایت کی اور کٹھ پتلی حکمران کرزئی کا ساتھ دیا تھا۔ وہ اس کونسل کے سربراہ بھی تھے' جو قیام امن کے لئے معرض وجود میں آئی تھی' لہٰذا طالبان مخالفت یا طالبان دشمنی ربانی صاحب کے ہمیشہ پیش نظر رہی ہے' لیکن اس ملاقات میں ربانی صاحب مولانا صاحب سے کہتے ہیں کہ طالبان ہمارا سرمایہ ہیں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ سرمایہ ضائع نہ ہو۔ اب ایسے شخص کا یہ تاثر جو طالبان کا مخالف اور کرزئی حکومت کا حامی ہے اور جس کی حکومت بھی طالبان نے ختم کی تھی' بڑا عجیب ہے جبکہ ہم لوگ یہاں بیٹھ کر طالبان کو دہشت گرد قرار دیتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ افغانستان پر جو آفت آئی وہ طالبان کی بناء پر آئی اور امریکہ کی واپسی میں طالبان ہی سب سے بڑی رکاوٹ ہیں جبکہ برہان الدین ربانی کا تاثر یہ ہے کہ وہ افغان طالبان کو ایک سرمایہ سمجھتے تھے' اور وہ کہتے تھے کہ وہ کرزئی کو بار بار یہ سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ وہ اس قوت کو ضائع نہ ہونے دے۔ اور ان کی مخالفت چھوڑ دے اور ان سے مذاکرات کرے' تاکہ افغانستان میں امن بحال ہو سکے۔

اور دوسری بات...... مولانا سمیع الحق کا ملا عمر کے نام خط ہے' جو کہ اس وقت لکھا گیا جب افغانستان پر طالبان کی حکومت تھی اور آپ حضرات جانتے ہیں کہ طالبان نے افغانستان پر حکومت قائم کرنے کے بعد ایسے تمام جہادیوں کے خلاف بغاوت کردی تھی جنہوں نے ملا عمر کی بیعت نہ کی تھی۔ اور انہوں نے افغانستان سے ان کی حکومت کو ختم کر دیا تھا۔ اور انہیں اس وقت تک واجب القتل قرار دیا تھا جب تک وہ ملا عمر کی بیعت نہ کریں' اور دوسری طرف مولانا سمیع الحق کی عام شہرت یہ ہے کہ وہ طالبان کے حامی ہیں' اور وہ ملا عمر کے استاد اور ان کے موقف کے حامی ہیں اور وہ دوسرے جہادیوں کے خلاف ہیں' لیکن اس خط میں مولانا ملا عمر کو بہت سے مشورے دیتے ہیں' جن میں سے ایک مشورہ یہ ہے کہ آپ کا اپنے حالات کا جو بھی تجزیہ ہو' لیکن افغانستان میں قیام امن اور افغانستان کے عوام کی بہتری کے لئے یہ ضروری ہے' کہ آپ دوسرے جہادی گروہوں سے صلح کر لیں' اور انہیں اپنے ساتھ ملائیں اور ان سے تعاون حاصل کریں' اس لئے کہ اس کے بغیر نہ تو افغانستان میں آپ کی حکومت قائم رہ سکتی ہے اور نہ ہی حالات میں استحکام آ سکتا ہے۔

مولانا نے یہ مشورہ اس وقت دیا جب پاکستان کے تمام لوگ اور تمام دائیں بازو سے تعلق رکھنے والی تمام جماعتیں بشمول حکومت پاکستان یہ سمجھتے تھے کہ افغانستان میں طالبان کی حکومت ہے اور باقی تمام لوگوں کو انکے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ افغانستان میں مولانا کا کردار ہمہ گیر رہا ہے اور انکا تعلق کسی ایک گروہ یا جماعت سے

نہیں، بلکہ افغانستان کے معاملات میں تمام مجاہدین کو ساتھ لیا ہے، اور اس کتاب کی طباعت سے یہ بات ثابت ہوتی کہ مولانا کا موقف صحیح تھا اس کے ساتھ ہی میں اس کتاب کی اشاعت پر مولانا سمیع الحق کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

ڈاکٹر محمد اجمل خان نیازی (معروف صحافی، دانشور اور استاد)

میں ایک خواب دیکھنے والا آدمی ہوں، مرے خواب ٹوٹ پھوٹ گئے اور کیوں ٹوٹ پھوٹ گئے کیونکہ میرے خوابوں کو تعبیریں تلاش کرنا پڑتی ہیں اور ہم لوگ تعبیروں کے پیچھے بھاگتے ہیں مگر میری تعبیریں میرے خوابوں کو تلاش کرتی ہیں، مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس کی کیا توجیہ کروں۔

جہاں تک اس مجموعہ خطوط کا تعلق ہے، تو حقیقت یہ ہے کہ ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کے زمانے میں بھی خطوط زندہ ہیں، مگر اب موبائل اور ایس ایم ایس کا زمانہ آگیا ہے، اور ہم جب خط لکھتے اور خط پڑھتے تھے، تو اس سے محظوظ ہوتے تھے، مگر اب موبائل اور ایس ایم ایس نے ہم سے خط کا مزہ چھین لیا ہے۔

مولانا نے یہ جو سات جلدیں خطوط کی ترتیب دی ہیں، یہ اتنی بڑی ہیں کہ ان کو چار دنوں میں پڑھنا بے حد مشکل تھا، ان میں سے کوئی ایک جلد اگر کسی امریکی کو ماری جائے تو اس کی جان نکل جائے۔ مجھے کئی لوگ مذاق میں طالبان کہہ دیتے ہیں مگر میں ان سے کہتا ہوں کہ میں تو طالبان سے بھی پہلے کا طالبان ہوں۔ مولانا کی ان کتابوں میں ایک بات جو مجھے پسند آئی یہ ہے کہ ایک عالم دین جب تک مرد مجاہد نہیں بنتا، اسوقت اس کی بات میں لطف نہیں پیدا ہوسکتا۔ شاید علامہ اقبال کا یہ شعر مولانا نے سن رکھا ہے۔ ''مجاہد کی اذاں اور ہے ملا کی اذاں اور''

بہرحال میں یہ سمجھتا ہوں کہ جب تک جہاد کی اصل روح سامنے نہیں لائی جاتی، اس وقت تک بات نہیں بن سکتی اور میں یہ بات اکثر کہتا ہوں کہ عشق رسول سے بڑا ایٹم بم دنیا میں بنا ہی نہیں۔ یہ علماء صوفی بھی تھے، اور مرد مجاہد بھی تھے اور جب ہمارے مولوی حضرات عشق سے ڈرنا چھوڑ دیں گے تو میرا خیال ہے کہ بات بن جائیگی (کیونکہ صاحب عشق ہونا ہی صاحب کردار ہونا ہے کیونکہ ہماری قومیں بے عشق کی صورتحال میں ماری گئیں۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ جب تک یہ لوگ موجود ہیں کوئی ان پر حاوی نہیں ہوسکتا، اور افغانستان ایک سپر پاور کا قبرستان بنا تھا۔ اب یہ دوسری سپر طاقت کا قبرستان بننے جا رہا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ امریکہ دنیا میں کسی سے نہیں ڈرتا وہ صرف مسلمانوں کی قوت عشق سے ڈرتا ہے اور صرف عشق رسول کی قوت و طاقت سے ڈرتا ہے، اس نے ہمیشہ عشق رسول کو متنازعہ بنانے کی کوشش کی ہے۔

علامہ اقبال کی ایک نظم میں شیطان کے اپنے چیلوں سے خطاب کا ذکر ہے...... اس وقت شیطان بزرگ امریکہ ہے وہ اپنے چیلوں یعنی نیٹو افواج سے خطاب کر کے کہتا ہے۔

وہ فاقہ کش موت سے ڈرتا نہیں ذرا روح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو

لہٰذا عشق رسولؐ اگر مسلمانوں کے دل سے نکل گیا تو پیچھے کچھ نہیں بچے گا۔ میں نے حافظ سعید پر ایک کالم لکھا تھا جس میں انہیں مبارکباد دی تھی کہ ان پر ایک کروڑ ڈالر کا انعام مقرر گیا ہے۔ امریکہ کیسا سازشی ملک ہے۔ وہ ایک ایسے شخص کے لئے انعام مقرر کرتا ہے جو سب کے سامنے بیٹھا ہے، دراصل امریکہ ہر طرح سے مسلمانوں کو ذلیل کرنے کی کوشش کرتا ہے، ان خطوط سے بھی جو میں پڑھ سکا ہوں یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ ہمارے جتنے حکام ہیں، وہ اور تمام کے تمام امریکہ کے حمایتی اور عوام اس کے مخالف ہیں، اسلئے جب تک ان حکام سے جان نہیں چھڑائی جاتی۔ اس وقت تک کام نہیں بنے گا۔

امریکی وزیر خارجہ رمزفیلڈ جس کا منہ کتے جیسا تھا اس نے ایک بات کہی تھی کہ ہم لوگ حکومتوں اور فوج سے ڈرتے ہیں اور نہ اسلحہ سے بلکہ ہم لوگ صرف ایسے لوگوں سے ڈرتے ہیں جن کے پاس عشق رسول ہوتا ہے۔ اور جن کے پاس فوج نہ ہو ہم ان سے ڈرتے ہیں، چنانچہ آپ نے دیکھا کہ اسرائیل کے ہاتھ پر عربوں نے بیعت کر رکھی ہے، بیروت کے حسن نصر اللہ جس کے پاس کوئی فوج نہیں ہے اس نے اسرائیل کے دانت کھٹے کئے اور اسے اپنے ملک واپس جانے پر مجبور کر دیا۔

اور میں یہ بات بھی دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ مجاہد جس کی رمزفیلڈ نے بات کی ہے اس سے مجھے شہید کربلا کی یاد آتی ہے کہ ان کے پاس نہ تو کوئی فوج تھی اور نہ ہی حکومت تھی۔ مگر انہوں نے یزید کی فوج کے دانت کھٹے کردیئے۔ اور ہمارے پاس جب تک مولانا سمیع الحق صاحب جیسے لوگ موجود ہیں، اس وقت تک ہمیں امریکہ سے ڈرنے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اب پاکستانی فوج میں بھی جذبہ جہاد کو ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مگر جب تک ایک مسلمان بھی زندہ ہے، اسے ختم نہیں کیا جاسکتا۔

مجھے یہ خطوط بہت اچھے لگے اور ان میں جو جذبہ پیش کیا گیا ہے، وہ یقیناً قابل رشک ہے اور علماء کو چاہیے کو وہ ایسا انداز اپنائیں کہ لوگ ان سے ڈرنے کے بجائے ان سے پیار کریں آخر آنحضورﷺ نے بھی فرمایا تھا کہ مجھ سے ڈرو نہیں، کیونکہ میں ایسی ماں کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھاتی تھی، اور ہمیں بھی اس کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

جناب قیوم نظامی: معروف ادیب، صحافی اور دانشور

میرا کتاب کے ساتھ رشتہ بہت پرانا ہے، میرا بچپن، میرا لڑکپن، میرا عہد جوانی اور اب یہ بڑھاپا۔ کتابوں کے ماحول میں بسر ہوا ہے، میرے والد محترم عبدالحمید نظامی اردو بازار لاہور میں ایک پبلشرز تھے اور اسلامی پبلشنگ کمپنی کے مالک تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں ہزار سے زیادہ کتب شائع کیں۔ جن میں ہر طرح کی کتب شامل تھیں، ان میں مذہبی کتب بھی تھیں اور دوسری قسم کی کتب بھی تھیں، اس لئے مرا کتابوں سے رشتہ بہت پرانا ہے۔ اس کے علاوہ میں چند برسوں سے تحقیقی کتب بھی شائع کر رہا ہوں۔ اور میں نے چند تحقیقی کتابیں بھی لکھی ہیں جو عوام میں بے حد مقبول ہیں، ان میں سے ایک جرنیل اور سیاست دان عوام کی عدالت میں ہے، دوسری قائداعظم بحیثیت گورنر جنرل، تیسری کا عنوان ہے

زندہ اقبال۔ موخر الذکر کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگا سکتے ہیں کہ میں نے جب اس کتاب کا ایک نسخہ امیر جماعت اسلامی سید منور حسن کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے اس کتاب کے ایک سو نسخے طلب کئے تا کہ انہیں اپنی لائبریریوں میں رکھوا سکیں۔

یہاں یہ بات میں نے اس لئے ذکر کی ہے کہ جب میں علامہ اقبال پر کام کر رہا تھا تو اس وقت یہ بات میرے سامنے آئی کہ علامہ اقبال نے قائداعظم کو جو خطوط لکھے وہ محفوظ ہیں اور تاریخی ریکارڈ کا حصہ ہیں، مگر قائداعظم کے علامہ اقبال کے نام پر جو خطوط تھے وہ محفوظ نہیں۔ اسی طرح میں آرکائیوز (معروضی دستاویزات) کے محکمہ میں گیا اور میں نے ان سے کہا کہ مجھے وہ کاغذات دکھائیں جن پر قائداعظم نے بحیثیت گورنر جنرل دستخط کئے ہیں تو میری حیرانی کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ تو محفوظ نہیں ہے۔ اس لئے کہ تاریخ کو اس طرح ضائع کیا گیا ہے۔ ان حالات میں میں مولانا سمیع الحق کو خراج تحسین ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے یہ کتاب شائع کر کے یہ تمام تاریخی ریکارڈ محفوظ کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان خطوط کی بے حد اہمیت ہے اور شاید ہم اس سے پوری طرح واقف نہ ہوں لیکن جو آنے والا مورخ ہے، کتابیں اس کی رہنمائی بھی کریں گی اور اس کی معاونت بھی کریں گی۔ خواہ وہ معاملہ شرعی ہو یا ادبی اور علمی، اس کتاب میں جہاد افغانستان، ختم نبوت، سیاسی کانفرنسوں، مختلف سیاسی و مذہبی تحریکوں کے بارے میں بہت کچھ ملے گا۔ پھر ۱۹۷۳ء کے آئین کے بارے میں مولانا کا جو کردار ہے وہ اس میں نظر آئے گا اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی رائے کے مقابلے میں جو دوسری رائے ہے وہ بھی اس کتاب میں آپ کو نظر آئے گی، اسی طرح عورت کی حکمرانی کے خلاف جو جدوجہد ہوئی اس کتاب میں اس کا بھی ذکر ملے گا۔

مجھے اس ملاقات کا حال پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ جو مولانا سمیع الحق نے محترمہ بے نظیر بھٹو شہید سے کی۔ مگر مجھے اس مجموعہ میں تشنگی محسوس ہوئی وہ یہ کہ اس میں خواتین کے خطوط بہت کم ہیں، حالانکہ ان کی آبادی ہمارے ملک میں دوگنی ہے۔ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تلافی کی کوشش کی جائے۔

میں اس مجموعہ کے پڑھنے سے بڑا حیران ہوا ہوں کہ میرے تو یہ تصور میں بھی نہ تھا کہ مولانا کی اتنی قد آور شخصیت ہے کہ مولانا کو اندرون ملک اور بیرون ملک سے بھی لوگ خط لکھتے رہے ہیں وہ جو غالب نے کہا تھا ہم تو خط لکھیں گے اگرچہ مطلب کچھ نہ ہو۔ ہم تو عاشق ہیں، تمہارے نام کے لیکن ان میں خطوط عشق بھی ہیں اور یہ خط ایک عاشق کے نام لکھے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ اور ان خطوط کے مطالب بھی ہیں، معانی بھی اور مفاہیم بھی۔ کوئی نہ کوئی عشق یا مسئلہ تھا جس کی بناء یہ خطوط لکھے گئے۔

اس میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ہی چالیس کے قریب خطوط ہیں۔ ان میں سے میں ایک خط آپ کے سامنے پیش کرنا چاہوں گا، وہ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں۔

آدمی قرآن و حدیث کے پڑھنے بلکہ سمجھنے سے بھی آدمی نہیں بنتا بلکہ ان پر عمل سے بنتا ہے، یہ بات غور کرنے کے قابل ہے اور مفکر اسلام علامہ اقبال نے بھی کہا تھا۔

عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی جہنم بھی　　یہ خاکی اپنی فطرت میں نوری ہے نہ ناری ہے

یہاں میں اسلامی تاریخ سے حوالہ پیش کرنا چاہوں گا کہ آنحضورﷺ یتیم تھے، آپ کا کوئی بھائی یا بہن نہیں تھی جو آپ کی رہنمائی کرتا، نہ مکتب نہ استاد نہ اسکول اور نہ لائبریری تھی۔ دور جاہلیت تھا پھر جب آپ نے اعلان نبوت کرنا چاہا تو آپ ایک پہاڑی پر چڑھ گئے اور آپ نے تمام قبائل کو جمع کیا اور فرمایا: اے اہل مکہ میں نے سارا بچپن اور ساری جوانی تمہارے سامنے گزاری ہے، اب اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ اس پہاڑی کے عقب سے کوئی لشکر تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری بات پر یقین کرو گے؟ سب لوگوں نے ایڑیاں اٹھا کر اور ہاتھ کھڑے کر کے کہا کہ ہاں، اس لئے کہ آپ امین اور صادق ہیں۔ مگر آج ہمارے سامنے مساجد، مدرسے، لائبریریاں اور ادارے ہیں مگر کیا کوئی سیاست دان اور جرنیل ایسا ہے جو مینار پاکستان پر آئے اور آکر اپنی زندگی پیش کرے۔ یہی کردار کا بحران ہے جس سے عالم اسلام اس وقت گزر رہا ہے۔

دوسری بات جو میں آپ کے سامنے عرض کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں یہ درج ہے کہ کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں بنایا جا سکتا، تو میرا سوال یہ ہے کہ جب قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بن سکتا تو پھر قرآن وسنت کے خلاف حکومت کیسے بنائی جا سکتی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ آج عبادات کا سلسلہ تو موجود ہے مگر ان کا جو اثر معاشرے پر ہونا چاہیے تھا، وہ نہیں ہو رہا اور اخلاقیات کا جنازہ ہمارے ملک سے نکل چکا ہے۔ اس پر غور وفکر کی ضرورت ہے۔

میں تو اخلاق کے ہاتھوں ہی بکا کرتا ہوں　　اور ہوں گے ترے بازار میں بکنے والے

پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر: (پروفیسر پنجاب یونیورسٹی، نامور دانشور، سابق صدر عالمی رابطہ اسلامی

میں مولانا سمیع الحق صاحب کی اس کاوش کو سلام پیش کرتا ہوں، اصل میں آج کے دور میں کتاب لکھنا، شائع کرنا اور بازار میں لانا بہت ہی ناپسندیدہ کام ہے، حیرت ہے کہ جس امت میں وحی کی ابتداء اقراء (پڑھیے) کے لفظ سے ہوئی اور جس کی مقدس کتاب میں کاغذ اور قلم اور دوات کی قسم کھائی گئی کہ فرمایا: نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ (القلم. ۱. ۲) اس امت میں لوگ کتاب سے اس قدر بے نیاز ہو گئے ہیں اور میں اپنے تلخ تجربات کی روشنی میں عرض کرتا ہوں کہ ایسے تلخ حالات میں مولانا کی طرف سے اتنی ضخیم کتاب لکھنا، مولانا کا حوصلہ اور ان کی ہمت ہے۔ بلاشبہ یہ محنت اور ذوق وشوق کی بات ہے کہ آپ نے ان خطوط کو سنبھالا، محفوظ کیا اور پھر اس شکل میں ہمارے سامنے پیش کیا کہ اب یہ خطوط محفوظ ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

میرے استاد محترم پروفیسر عبدالعزیز میمنی فرمایا کرتے تھے کہ کتاب کی ایک زکوٰۃ ہوتی ہے جو یہ ہے کہ سب سے پہلے تو مؤلف کتاب کا شکریہ ادا کرے کہ جس کی کوشش آپ تک پہنچی ہے۔ اور پھر ذوق اور شوق سے اس کی ورق گردانی کی جائے اور پھر اس کے بعد اس کے مندرجات اور محتویات کو دیکھا جائے۔ مگر اس میں کوئی ایسی بات نظر آئے جو کہ میرے علم اور فضل کی حیثیت سے آپ کو اپنی طرف کھینچی ہے۔ تو اس کو پڑھے بغیر کتاب کو نہ رکھا جائے اگر ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی۔ آپ نے یہ سنا ہوگا کہ نامور عربی اموی شاعر الفرزدق کے سامنے جب حضرت لبید بن ربیعہ کا ایک شعر پڑھا گیا جس میں حضرت لبید نے صحرا میں بارش کے بعد کا منظر پیش کیا ہے تو وہ سجدے میں گر پڑا۔ لوگوں نے پوچھا کہ تم نے ایسے کیوں کیا کہ اس نے کہا جس طرح سجدۂ تلاوت میں ہوتا ہے اسی طرح ایک سجدہ شعر بھی ہوتا ہے۔ اسی لئے میں اور میرے نزدیک ایک سجدہ کتاب بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ''اقراء'' ہے اور یہ مصرع صیغہ ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک امر برائے واجب ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک امر برائے استحباب بھی ہے۔ مگر میرے خیال میں امر صرف برائے وجوب اور فرشتہ ہوتا ہے اس لئے کہ آنحضورﷺ نے اس اقراء کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: طلب العلم فریضة علی کل مسلم (علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے)

پچھلے ایک ہزار سال سے صلیبی دنیا نے عالم اسلام کے خلاف ایک غیر اعلانیہ جنگ شروع کر رکھی ہے' دوسری طرف ہمارے مجاہدین ہیں' جو منافق نہیں ہیں اور وہ اپنے دل کی بات چھپاتے نہیں ہیں' مگر یہ صلیبی سب سے بڑے بزدل ہیں' اور سب سے بڑا بزدل تو سابق صدر امریکہ جارج بش تھا۔ جس نے اعلان کیا کہ یہ صلیبی جنگ ہے' مگر اعلان کرنے کے چند منٹ کے بعد ہی اس نے موقف بدل لیا اور کہا کہ نہیں یہ دہشت گردی کے خلاف جنگ ہے' حالانکہ سب سے بڑا دہشت گرد تو خود امریکہ ہے۔ جس نے سب سے پہلے ایٹم بم چلایا اور لاکھوں انسانوں کو موت کی نیند سلا دیا اور دہشت گرد کیا ہوتا ہے؟

اور آج یہ بات انہیں بتانے کی ضرورت ہے کہ سب سے بڑے دہشت گرد تو تم خود ہو اور تم نے ہمارے خلاف غیر اعلانیہ صلیبی جنگ شروع کر رکھی ہے اور ہم اب اس صلیبی جنگ کو زیادہ دیر نہیں چلنے دیں گے یا تو تم اعلان کرو ورنہ بزدل جارج بش کی طرح چھپ جاؤ جس نے اعلان کرنے کے فوراً اس سے رجوع کر لیا تھا۔

آج تک مغرب نے دہشت گردی کی کوئی تعریف نہیں کی جاسکی' اسلامی ملکوں کی طرف سے نہیں کئی مرتبہ چیلنج کیا گیا مگر وہ یہ نہیں بتا سکے کہ جو وہ کرتے ہیں وہ دہشت گردی نہیں ہے اور جو کچھ مسلمان اپنی آزادی کی حفاظت کے لئے کرتے ہیں وہ دہشت گردی کیوں ہے؟ یہ صرف منافقت اور ریاکاری کے سوا کوئی کچھ نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو خط لکھنے والا اور اسکا جواب دینے والا ہوتا ہے وہ چند سطروں میں اپنے دماغ کا نچوڑ نکال کر پیش کر دیتا ہے۔ اسی بناء پر مشورے کو عربی میں شوریٰ کہتے ہیں اور شوریٰ کے عربی میں معنی شہد کے چھتے سے

خالص شہد نکالنے کے ہیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ سے مروی ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی یہی روایت مروی ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے زیادہ کسی کو مشورہ قبول کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔"

ایک عرب کا قول ہے کہ الرجال ثلاث ...... رجل رجل ورجل لارجل .ولارجل ولا رجل

یعنی ایک شخص خود بھی دانا ہے اور دوسرے داناؤں کا مشورہ بھی قبول کرتا ہے اور دوسرا شخص وہ ہے جو خود تو دماغ نہیں رکھتا مگر وہ دوسروں کا مشورہ قبول کرتا ہے اور تیسرا شخص وہ ہے جو نہ تو خود دماغ رکھتا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے شخص کے مشورے قبول کرتا ہے۔ ہمارے دور کے اکثر حکمران آخر الذکر قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔

خطوط کی اہمیت کا اندازہ قرآن کریم میں مذکور حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط سے ہوتا ہے۔ میں اس خط کے صرف دو الفاظ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں ہدہد بھی تھا یہ ہدہد بڑی شے تھا۔ عربوں نے ہدہد کے بہت سے لطائف گھڑ رکھے ہیں۔

یہ ہدہد ملک سلیمان کے علاقے میں گیا اور واپس آ کر اس علاقے کی روداد بیان کی اور بتایا کہ اس ملک کے لوگ سورج کی پرستش کرتے ہیں، جس پر حضرت سلیمان علیہ اسلام نے ہدہد سے کہا:

اذھب بکتابی ھذا فالق الیھم میرا یہ خط لے جاؤ اور ان کے سامنے جا کر ڈال دو

یہاں قرآن کریم کا اعجاز اور انداز بلاغت ملاحظہ فرمایئے کہ یہاں "فالق الیھا" اس عورت کو میرا خط پہنچا دو) نہیں کہا گیا اس لئے کہ وہ ملکہ تو محض ایک عورت اور محض ایک فرد تھی۔ اور سلطنت و ریاست میں ایک فرد کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی

بعد ازاں حضرت سلیمان نے ہدہد کو ہدایت کی: ثم تول عنھم فانظر ماذا یرجعون

(پھر تو ان سے لوٹ آنا اور یہ دیکھنا کہ وہ اس کا کیا جواب دیتے ہیں)

اس جملے میں آداب سفارت کاری سکھائے گئے ہیں نہ کہ خط دے کر واپس آ جانا چاہیے۔ چنانچہ اس موقع پر جو قوم سبا کا ردعمل تھا وہ ملکہ کے یہ الفاظ ہیں:

قالت یا یھا الملاء افتونی فی امری ما کنت قاطعةً حتی تشھدون.

(ملکہ نے کہا اے سرداروں! مجھے میرے اس معاملے میں تقویت دو، اور میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتی جب تک تم موجود نہ ہو) اس طرح قرآن کریم کی یہ تعلیم دراصل جمہوریت، شورائیت اور قومی اسمبلی کی ہے، اس کے بعد ملکہ نے کہا: قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَۃً اَفْسَدُوْھَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّۃَ اَھْلِھَآ اَذِلَّۃً

کہا کہ بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو وہ وہاں فساد مچا دیتے ہیں۔ اور اس کے اپنے والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں، اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس خط نے مسلمانوں کی خطوط نویسی پر کیا اثر ڈالا، اس کا اس امر سے اندازہ ہوتا ہے کہ

آج تک خط لکھنے کا یہی انداز چلا آتا ہے کہ پہلے بسم اللہ لکھی جاتی ہے اور پھر خط لکھنے والے کا اور پھر مکتوب الیہ کا ذکر ہوتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو پھر خط بے رنگ ہو جاتا ہے' اور اسکی کوئی استفادی اہمیت نہیں رہتی اسی کیساتھ ہی میں مولانا سمیع الحق کو اس دن کی اس خدمت پر ایک مرتبہ پھر سلام پیش کرتا ہوں۔

محترم جناب عطاء الرحمٰن (مدیر اعلیٰ روزنامہ نئی بات)

لمحہ موجودہ میں مرد مومن کا کردار مولانا سمیع الحق صاحب ادا کر رہے ہیں' میں انگریزی' عربی اور فارسی کے متعلق تو کچھ نہیں کہہ سکتا مگر اردو زبان وادب میں مولانا کی یہ کتاب ایک منفرد کتاب ہے۔ میرے خیال میں اگرچہ ہماری تاریخ میں بہت سے مشاہیر کے خطوط محفوظ ہیں' جن میں غالب کے خطوط' مولانا ابوالکلام آزاد کے خطوط' علامہ اقبال کے خطوط' مولانا سید سلمان ندوی کے خطوط' اور ان کے مجموعے ہمارے سامنے ہیں' لیکن میں یہ بات دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اس طرح کے خطوط کا مجموعہ اردو کی پوری تاریخ میں موجود نہیں۔

ان مشاہیر میں بہت سے علمائے کرام ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کی بہت سی نامور سیاسی شخصیات بھی شامل ہیں' مولانا نے ان سب کے خطوط جمع کر کے میرے جیسے کم علم لوگوں اور آئندہ آنے والی نسلوں کو یہ تعارف کروا دیا ہے کہ اس عہد کی سربرآوردہ علمی اور سیاسی شخصیات کون کونسی تھیں۔ اور ان کے خیالات کیا کیا تھے؟ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان خطوط کی ابتداء جس عظیم شخصیت سے ہوئی یعنی شیخ الحدیث مولانا عبدالحق حقانی ہے' مجھے ایک آدھ مرتبہ ان کی زیارت کی توفیق ملی۔ ایک مرتبہ جب میں طالب علم تھا' مولانا حقانی ساٹھ کی دہائی میں جامعہ اشرفیہ لاہور کے سالانہ جلسے میں شرکت کیلئے آئے تھے' ان کی زیارت کی تھی۔ اور ایک مرتبہ روس کے خلاف جہاد کے دنوں میں' میں دارالعلوم حقانیہ بھی گیا۔ جہاں کھڑے ہو کر میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا عبدالحقؒ کے دل میں کیا بات ڈالی تھی کہ دیوبند میں دارالعلوم کی صورت میں جو چشمہ فیض اُبلا تھا اس کی ایک شاخ اور برانچ یہاں اکوڑہ خٹک میں قائم کر دیں۔ اور جو یہاں تحریک مجاہدین کے عظیم شہداء کی قبریں ہیں اور پھر اس ادارے کے ذریعے جو عظیم الشان جہاد لڑا جا رہا ہے' اور اس جہاد میں جن اداروں کے افراد نے حصہ لیا' اس میں یہ ادارہ سرفہرست ہے' تو مجھے خیال آیا کہ کچھ لوگ تاریخ لکھا کرتے ہیں اور کچھ لوگ تاریخ کا مشاہدہ کرتے ہیں اور میں اس قابل تو نہیں کہ تاریخ لکھوں یا تاریخ پر دیرپا اثرات چھوڑوں لیکن میں اس وقت ایک ایسے چوراہے پر کھڑا ہوں کہ جس کے چاروں طرف سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید سے لے کر ملا عمر تک جہاد کی پوری تاریخ کے تانے بانے بنے ہوئے ہیں۔ اور دارالعلوم حقانیہ اس لحاظ سے بالکل ایک منفرد حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اور اس کا ماضی جہاد سے وابستہ ہے اور یہ کہ دارالعلوم حقانیہ کی بانی میانی شخصیت مولانا عبدالحقؒ اور ان کے فرزند ارجمند مولانا سمیع الحق' جنہوں نے اپنے والد کے ورثے کو بڑی اچھی طرح سنبھالا ہے اور آگے بڑھایا ہے۔ تو میرے اندر ایک عجیب جذبہ وکیف کی کیفیت پیدا ہوئی اور میں خود

کو ایک معمولی انسان کے طور پر پا رہا تھا۔

مجھے ۱۹۹۸ء میں ملا عمر کی زیارت کا موقع بھی ملا۔ اگرچہ اسامہ بن لادن سے ملاقات نہیں ہو سکی مگر اس کی تلافی اس کتاب سے ہو گئی۔

بہر حال میرے خیال میں یہ کتاب اردو زبان میں بالکل ایک منفرد کتاب ہے، اور پھر حیرت کی بات یہ ہے کہ مولانا نے اپنی گونا گوں معروفیات کے باوجود جس طرح اس کتاب کو مرتب کیا وہ اور بھی قابل تحسین بات ہے، میں مولانا کو اس کتاب کی تکمیل پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

مولانا امیر حمزہ (مدیر اعلیٰ ہفت روزہ جرار وچیئرمین تحریک حرمت رسول)

مولانا سمیع الحق نے علماء و مشائخ کو بہت سے خطوط لکھے اور علماء و مشائخ نے بھی انہیں بہت سے خطوط تحریر کیے مگر ایک خط ہے جو ابھی لکھا جانے والا ہے اور وہ خط مولانا کی اس کتاب میں موجود نہیں ہے۔

مولانا عبدالحقؒ اور مولانا سمیع الحق کے مدرسہ حقانیہ میں ایک طالب علم نے تعلیم حاصل کی، مولانا کی مرتب کردہ جلدوں میں سے ایک جلد میں نصف سے زیادہ خطوط اسی شخصیت کے ہیں۔ یہ شخصیت ملا محمد عمر کی ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ جب ایک خط لکھا جائے گا جو نبی اکرم ﷺ کے اس خط مبارک کی طرح ہو گا جس طرح آپ وقت کے حکمرانوں کو لکھتے تھے:

اسلم تسلم...... تمہیں سلامتی اور امن اس وقت ملے گا جب تم اسلام لے آؤ گے۔

اور یہ اس وقت ہو گا جب امریکہ افغانستان سے رخصت ہو گا اور اس وقت کے من موہن سنگھ کو مولانا بھی یہی خط لکھیں گے کہ اسلام لے آؤ، تمہیں سلامتی مل جائے گی۔

رانا شفیق الرحمٰن پسروری: (پیغام ٹی وی کے چیف آرگنائزر، پاکستان کے کالم نویس اور معروف مذہبی رہنما)

ڈاکٹر اجمل نیازی نے اپنی گفتگو میں فرمایا تھا کہ علمائے کرام کو اتنا خوفناک نہیں ہونا چاہیے۔ میرے خیال میں ان کی ہدایات درست نہیں ہے۔ علمائے کرام تو عوام میں محبتیں بکھیرتے ہیں، امام احمد بن حنبل نے فرمایا تھا کہ ہمارے اور ہمارے مخالفین کے درمیان کوئی شے فیصلہ کرے گی تو وہ جنازے ہیں، اور ماضی قریب میں لاہور شہر میں ایسے لوگ جو روشن خیال تصور ہوتے اور روشن خیالی پر لکھتے رہے، ان کی رسم جنازہ کے موقع پر چند گنتی کے لوگ افسوس کرتے رہے او رجب کوئی دین اور علم سے تعلق رکھنے والا شخص فوت ہوا تو اس کا جنازہ لوگوں کے کندھوں پر نہیں بلکہ ان کے دلوں پر گیا۔ جہاں تک خطوط نویسی کا تعلق ہے، تو اس حوالے سے بہت کچھ کہا گیا، خطوط نویسی کی تاریخ اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب سے انسان نے لکھنا اور اپنے خیالات کے اظہار کے لئے خطوط کا سہارا لینا شروع کیا۔ کبھی یہ تختیوں پر، کبھی مٹی پر اور بھوسے کے مجموعے پر، کبھی کھال پر، کبھی کاغذ پر اور کبھی کپڑوں پر لکھے گئے۔ یہ خطوط حکمرانوں نے بھی لکھے، طالب

علموں نے بھی لکھے اور ہر طرح کے لوگوں نے لکھے۔

لیکن صرف ایسے خطوط تاریخ نے محفوظ رکھے جن کے لکھنے کا کوئی مقصد تھا۔ اور جہاں تک بے مطلب خط لکھنے کا تعلق ہے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خط لکھنے والا غیابت میں بیٹھا رہتا ہے اور مکتوب الیہ ڈاکیے کے ساتھ بھاگ جاتا ہے۔

مولانا سید عبدالحئی لکھنوی نے برصغیر پاک و ہند کی علمی اور فکری شخصیات کے حالات پر سات جلدوں پر مشتمل نزھۃ الخواطر مرتب کی۔ جس کی آٹھویں جلد ان کے صاحبزادے نے مکمل کی۔ اس کتاب میں ہندوستان کی تاریخی کی جتنی بھی علمی شخصیات ہیں ان کے حالات جمع کئے گئے ہیں اتنے حالات کسی اور کتاب میں ہمیں نہیں ملتے۔ نزھۃ الحق کی سات جلدوں کے بعد مولانا سمیع الحق کی مرتب کردہ خطوط کی یہ سات جلدیں ہیں، جس میں پندرہ سو بارہ شخصیات کے خطوط اوران خطوط کے حوالے سے ان کا ذکر موجود ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں مکتوبات، امام ربانی، مکتوبات شاہ ولی اللہ، اور مکتوبات سید احمد بریلوی کے خطوط کی بھی ایک تاریخی حیثیت ہے، اسی طرح مولانا مدنی، مولانا ڈپٹی نذیر حسین دھلوی اور مولانا ابوالکلام کے خطوط، علامہ اقبال کے خطوط، عطیہ فیضی، علامہ شبلی اور علامہ اقبال کے مابین خطوط کی بھی ایک تاریخی اہمت ہے مگر برصغیر کی تاریخ میں اگر مکاتیب کی روشنی میں کوئی اتنی بڑی کتاب ہم دیکھتے ہیں، تو وہ مولانا کی یہ کتاب ہے، میں اس پر مولانا کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

بلوح الخط فی القرطاس دھراً　　وکاتبۃ رمیم فی التراب

اور تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ جو لوگ کسی مقصد کے لئے خط لکھتے رہے ہیں وہ رمیم فی التراب نہیں ہوتے بلکہ ان کا نام اپنے کردار کی بدولت ہمیشہ روشنی سے جگمگا تا رہتا ہے۔ بقول شاعر

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق　　ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

جناب سعود عزیز صاحب (مولانا ذکی کیفی عثمانی" کے فرزند، حضرت مفتی محمد شفیع کے نبیرہ اور معروف شاعر اور دانشور:

یہ میرے لئے خوش قسمتی اور سعادت کی بات ہے کہ مجھے اس مجلس میں حاضری کا موقع ملا، میرے چچا، مولانا تقی عثمانی بچپن ہی سے میری والہانہ محبت و عقیدت کا محور رہے ہیں۔ مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں ان کا بھتیجا اور ان کے خاندان سے ہوں، اور اسی محبت عقیدت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ہر وہ شخص اور ہر وہ تحریر جسے میرے عم محترم پسند کرتے رہے ہیں، جن سے ان کا رابطہ رہا ہے، وہ میرے لئے پسندیدہ اور محبوب رہی ہیں اور میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسی تحریریں پڑھتا رہا ہوں جن کا انہوں نے ذکر کیا اور یا جن شخصیات کو انہوں نے پسند کیا۔

مجھے بچپن سے یہ بات معلوم ہے کہ مولانا تقی عثمانی، مولانا عبدالحق اور مولانا سمیع الحق سے قلبی تعلق اور رابطہ رہا ہے۔

یہ غالباً ۱۹۸۱ء یا ۱۹۸۲ء کی بات ہے کہ جب مولانا سمیع الحق کی کتاب ''اسلام اور عصر حاضر'' چھپ کر آئی اور میں اس مجلس میں موجود تھا' جب مولانا نے یہ کتاب میرے عمّ محترم کو پیش کی۔ اس وقت انہوں نے کتاب کا پہلا صفحہ پلٹا تو کہا: ''بیسویں صدی اپنے بڑھاپے کی حدود میں جا چکی ہے''

چنانچہ اس کے بعد میں نے مولانا سمیع الحق کی کئی کتابیں پڑھیں اور مجھے علم و ادب کے ایک طالب علم کی حیثیت سے برملا یہ اعتراف ہے کہ مولانا کی کتابوں میں جو ادبیت اور جو ادب کی چاشنی ملتی ہے' وہ عربی ادب ہو یا فارسی یا اردو ادب' و ہمارے بہت کم ادیبوں کی تحریروں میں نظر آتی ہے۔ خواہ وہ الحق کے اداریئے ہوں یا ان کی دوسری تحریریں ہوں اور یہ بات میرے لئے ہمیشہ حیرانی کا باعث رہی ہے کہ مولانا کا تعلق علمی اور سیاسی عمل سے ہے لیکن ادب سے ان کا اتنا جڑا ہوا اور منسلک ہونا یہ میرے لئے باعث حیرت رہا ہے۔

مولانا کی شخصیت ایسی گنی چنی چند شخصیات سے ہے' جن کا تذکرہ ہم کتابوں میں پڑھتے تھے' یا اپنے بڑوں سے سنتے تھے کہ یہ لوگ دینی اور مذہبی درد بھی رکھتے تھے اور وہ عالم دین ہونے کے ساتھ دیگر علوم و فنون سے بھی منسلک اور جڑے ہوتے تھے اور خاص طور پر ادب اس کا حوالہ ہے۔ اور علم و ادب کے ایک طالب علم کے طور پر وہ ہیں' یہ دیکھ رہا ہوں کہ اہل دین اور اہل ادب میں جتنا فاصلہ اور بعد اب پیدا ہو گیا ہے' وہ اس سے پہلے شاید کبھی نہیں تھا اور یہ بڑی بدقسمتی ہے کہ ہمارے ادبی حلقوں میں وہ تحریریں جو ہمارے دینی علماء نے مرتب کی ہیں اور بڑی ادبی چاشنی رکھتی ہیں' متعارف نہیں ہیں اور اسی طرح ہمارے دینی حلقوں میں ادیبوں کی ایسی ہی تحریریں پڑھنے کا اب رواج نہیں ہے۔ یہ ایک بڑا لمحہ فکریہ ہے اور یہ خلیج کو کم ہونا چاہیے۔

اس کتاب میں جس کی اشاعت میں میرا بھی کچھ حصہ ہے' ادبیت' بلاغت اور برجستہ اشعار ملیں گے اور یہ ایک ایسی دستاویز ہے جس کی ہماری تاریخ میں کوئی اور مثال موجود نہیں ہے۔ میں آخر میں مولانا کو اس کتاب کی تدوین و اشاعت پر انہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

جسٹس (ر) نذیر احمد غازی (قانون داں' اور معروف دانشور)

مولانا سمیع الحق کی یہ کتاب ایک ایسی دستاویز ہے' جو ہماری تاریخ میں ایک وقیع اضافہ ہے۔ اس مجموعہ میں موجود خطوط پڑھ کر یہ لگتا ہے کہ مولانا سمیع الحق ایک تاریخ ساز شخصیت ہیں' ان کی طرف سے یہ بہت بڑا اضافہ (Contribution) ہے کہ انہوں نے یہ تمام خطوط جمع کر دیئے اور آئندہ نسلوں کو جہاد افغانستان کو سمجھنے میں ان سے بے حد مدد ملے گی۔

علامہ اقبال نے جو کہا ہے کہ : ؎ ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز　　چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

یہ بالکل درست ہے اور اس کا کبھی اظہار ہو جاتا ہے اور کبھی اظہار نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر آپ حضرات کو علم ہے کہ

ایٹم بم سب سے پہلے امریکہ نے بنایا پھر برطانیہ، فرانس اور دوسرے ملکوں نے بنایا۔ مگر کسی ملک کے بم کو امریکی، جاپانی یا برطانوی بم کا نام نہیں دیا گیا، لیکن جب پاکستان نے ایٹم بم بنایا تو اسے اسلامی بم کا نام دیا گیا۔ جس سے اسلام اور مسلمانوں سے ان کے تعصب کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔ دوسری طرف ہمارے حکمرانوں کی خوش فہمی یہ ہے کہ شاید وہ ان کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھاؤ ان کی دشمنی سے بچ سکتے ہیں۔ مگر انہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ اندلس میں مسلمانوں پر اسی طرح زوال آیا کہ ایک چھوٹی سی ریاست کا سربراہ عیسائیوں کے پاس جاتا اور یہ کہتا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں...... اسی طرح عیسائیوں نے ایک ایک مسلمان ریاست کا خاتمہ کر دیا، اس لئے ہم اس خوش فہمی میں نہ رہیں کہ حافظ سعید کے سر کی قیمت مقرر ہوئی ہے۔ کل کو دوسروں کے سر کی قیمت بھی مقرر ہو سکتی ہے۔ اور ایک ایک شخص کے سر کی قیمت مقرر ہوگی۔

آج کل اسلام کو گالی دیتے ہوئے لوگوں کو ڈر لگتا ہے، ممتاز قادری نے سابق گورنر پنجاب کا قتل کر کے اس امت پر احسان کیا ہے کہ اب یہ لوگ ایسی باتیں کرنے سے ڈر گئے ہیں، اب انہوں نے اسلام پر حملہ کرنے کے لئے ایک نیا طریقہ نکالا ہے، وہ یہ کہ وہ ملا کا نام لے کر اسلام کو برا بھلا کہا جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ ملا یہ کہتا ہے اور ملایوں کہتا ہے اسی طرح ایک مجلس میں جہاں میں بھی تھا اور حافظ سعید صاحب بھی تھے، ایک شخص نے قانون توہین رسالت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ اس قانون کو اس لئے نہیں مانتا کہ یہ قانون ایک آمر کا بنایا ہوا ہے۔ اسی طرح اب یہ لوگ اسلام کو براہ راست گالی دینے سے ڈر گئے ہیں، مگر ضیاء الحق یا ملا کے نام لے کر اسلام کو گالی دینا آسان ہے اور ایسے لوگ اسلام کو اور پیغمبر اسلام کو براہ راست گالی دینے سے اس لئے احتراز کرتے ہیں کہ اس میں جان جانے کا اندیشہ ہے اور ممتاز قادری نے دنیا کو بتا دیا کہ جو شخص اللہ کے نبی کو برا بھلا کہے گا اس کا یہی حشر ہوگا اور یہ امت اسی وقت تک باقی رہے گی جب تک مسلمان ایسی ہی غیرت کا مظاہرہ کریں گے۔

علامہ اقبال نے کہا تھا:

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو　　اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

میں یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں کو خود اسلام کی قوت کا اندازہ نہیں البتہ آپ کے دشمنوں کو البتہ اندازہ ہے۔ اور آج ایسی جماعتیں جو چنگ چی کی جماعتیں ہیں، دس دس بیس بیس بندے جمع کر کے اسلام کے خلاف باتیں کرتے ہیں، اور مال روڈ پر جلوس نکالتے ہیں اور میڈیا ان کی باتوں کو اچھالتا ہے اور دوسری طرف اتنے بڑے بڑے جلوس اور ریلیاں نکلتی ہیں مگر میڈیا ان کو اہمیت نہیں دیتا۔ آخری لڑائی اسلام کے فرزندوں کی ہونے والی ہے۔

جو حق کی خاطر جیتے ہیں مرنے سے کب ڈرتے ہیں جگر
جب وقت شہادت آتا ہے دل سینوں میں رقصاں ہوتے ہیں

ہمیں صرف آپس کے اتحاد کی ضرورت ہے۔

میں نے جب وکی لیکس میں یہ انکشاف پڑھے تو میں کئی راتوں تک سو نہیں سکا کہ ہمارے علماء کرام امریکہ کے سامنے جھولیاں پھیلائے ہیں اور اس سے پیسے مانگتے ہیں، یہ شرم کی بات ہے، ان لوگوں نے اسلام کو بھی رسوا کر دیا ہے، وہ کہتے ہیں

کچھ پس پردہ بکے کچھ سر بازار بکے　　بیوفاؤں کی نہیں بات وفادار بکے
آج پھر ان کے خریدار نظر آتے ہیں　　جو سو بار خریدے گئے سو بار بکے

قافلے والو دیکھ لو چلنا　　راہ کٹھن ہے ہوش سنبھل کے
جادہ منزل پر بیٹھے ہیں　　پھر وہی رہزن بھیس بدل کے

آخر میں مولانا کو اس کتاب کی اشاعت پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

پروفیسر حافظ محمد سعید (امیر جماعۃ الدعوۃ پاکستان)

میرے خیال میں خود مولانا سمیع الحق صاحب بہت بڑی کتاب ہیں، مجھے اچھی طرح وہ دن یاد ہیں، جب دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں ایک مجلس تھی۔ اس وقت امریکہ پاکستان کے راستے استعمال کرتا ہوا افغانستان میں داخل ہو رہا تھا۔ اس وقت بڑی غلط پالیسیاں بن رہی تھیں، اور پاکستان کے فوجی حکمران، اپنی تاریخ کا بدترین فیصلہ کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے مولانا سمیع الحق کو یہ جرات عطا فرمائی کہ انہوں نے اکوڑہ خٹک میں ایک اجلاس بلایا اس میں مَیں بھی تھا اور افغانستان کے مجاہدین کے نمائندے اور پاکستان کے مخلص لوگ بھی موجود تھے۔ یہ بڑی طاقتور آواز تھی، جو حکومتی فیصلے کے خلاف اٹھائی گئی کہ ہم امریکہ کو افغانستان میں وہی جواب دیں گے جو ہم نے افغانستان میں روس کو دیا تھا۔ یہ اجلاس اور اس میں اٹھائی گئی آواز اب تاریخ کا ایک حصہ بن چکی ہے۔

دنیا نے دیکھا کہ جنرل پرویز مشرف کا فیصلہ غلط تھا اور اکوڑہ خٹک سے جو آواز اٹھائی گئی تھی، وہ درست تھی اس وقت ہم لوگ بیٹھے اکوڑہ خٹک میں تھے، مگر بات افغانستان کی ہو رہی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے دل بھی جڑے ہوئے ہیں اور ہمارے جسم بھی جڑے ہوئے ہیں اور ہمارے جوڑنے کے لئے اسلام ہی کافی ہے اور پھر الحمدللہ دنیا نے دیکھا کہ امریکہ افغانستان میں شکست کھا چکا ہے۔ اور اپنی اور نیٹو کی تمام افواج استعمال کرنے کے باوجود بھی وہ شکست سے دوچار ہے۔ آج میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ پاکستان پر پھر برا وقت آ رہا ہے۔ اس لئے افغانستان میں شکست کھانے کے بعد امریکہ اپنے ہوش وحواس کھو چکا ہے، اور اس صورت حال سے بھارت پورا پورا فائدہ اٹھا رہا ہے، اور اسے یہ سمجھا رہا ہے کہ تمہیں یہ معلوم نہیں کہ تمہیں شکست سے دوچار کون کر رہا ہے۔ تم صرف افغانستان پر نظر رکھ رہے

ہو مگر تم یہ دیکھو حقانی نیٹ ورک کہاں ہے؟ اور امریکی بھی انڈیا کی ڈکٹیشن پر فیصلے کررہے ہیں۔ اس وقت پاکستان کے لئے بڑا مسئلہ بن چکا ہے امریکہ اور بھارت کے پاکستان کے خلاف معاہدے ہوچکے ہیں اس موقع پر بھی جو اللہ کا بندہ میدان میں اترا ہے اس کا نام مولانا سمیع الحق ہے تو میں اپنے آپ پر یقین کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ قرآن کریم کی یہ آیت میرے سامنے ہے کہ فرمایا: وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا

وہ اس سے اکھٹے ہوکر آنے والے مومنین کو ہدف بنا کر آنے والے وہ اسلام کی قوت کو دبانے اور اپنے قبائلی نظاموں کو قائم رکھنے کا ارادہ لے کر آنے والے ناکام ہوگئے جب وہ آئے تو اکٹھے ہوکر جڑ کر آئے تھے کہ مدینہ منورہ کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ نے ان کے ساتھ جو معاملہ کیا اس کا ذکر اس آیت میں ہے کہ وہ جس غصے سے بھرے ہوئے آئے تھے اللہ تعالیٰ نے اسی غصے کے ساتھ بھرے ہوئے انہیں واپس کردیا۔ اس لئے جب اللہ کے بندوں نے میدان جہاد وقتال میں کھڑے ہوکر قربانیاں دینے کا فیصلہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے میدان خود اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

اور میں افغانستان کے بارے میں بھی یہی کہنا چاہتا ہوں کہ یہاں بھی امریکہ کو اللہ تعالیٰ نے شکست دی۔ ان سب اتحادیوں کو جو اکھٹے ہوکر آئے تھے اللہ نے ذلیل ورسوا کیا ہے۔ اور جہاد کا نام اللہ تعالیٰ نے دنیا میں سربلند کردیا ہے۔ اور میں اس پس منظر میں افغانستان کے متعلق یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب دفاع افغانستان کونسل بنی تھی اسے بھی اللہ تعالیٰ نے قبول کیا تھا اور اب دفاع پاکستان کونسل بنی ہے تو اسے بھی اللہ تعالیٰ نے قبول کرلیا ہے اور ان شاء اللہ پاکستان میں امریکہ اور نیٹو ممالک کی افواج کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوگی۔ یہ لوگ ناکام ونامراد اور خائب وخاسر ہوکر واپس لوٹیں گے۔ اور ان شاء اللہ انڈیا کی کوششیں بھی ناکام ہوں گی۔ اور اس کے بعد پھر وہ غزوہ ہند برپا ہوگا۔

ہمارا یہ سفر جاری ہے یہ جاری رہے گا میں بھی مولانا کا ساتھی ہوں ہم لوگ اکھٹے چل رہے ہیں اور ہم لوگ میدان میں ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے۔

مولانا کی یہ کتاب بہت ہی قابل مبارک ہے اور مولانا خود بھی قابل مبارک ہیں یہ کوشش اور یہ عمل جاری رہنا چاہیے۔ یہ تاریخ مرتب ہورہی ہے اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ (مؤلف کتاب):

میں نے اس مجلس کے نقیب ڈاکٹر محمود الحسن عارف سے یہ گزارش کی تھی کہ اس مجلس میں میری تقریر نہ رکھی جائے اس لئے کہ میری تقریر کی کچھ بات بنتی نہیں۔

بہرحال اس مجلس میں میرے حوالے سے بہت کچھ کہا گیا اللہ گواہ ہے کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ یہ آپ

حضرات کا حسن ظن ہے۔

خطوط کے حوالے سے بات ہوئی۔ یہ خطوط جمع کرنے کا کام مجھ سے اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ یہ خطوط مشائخ عظام، علمائے کرام اور اہل علم و فضل کے ہیں، انہیں بھی شاید اس وقت یہ احساس یا خیال بھی نہیں تھا کہ یہ خطوط چھپیں گے۔ اور یوں محفوظ ہوں گے انہوں نے ان خطوط میں پوری آزادی اور سادگی سے اظہار خیال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ کام لینا تھا اس لئے اس نے میرے دل میں یہ شوق پیدا کیا۔ اور اس مجموعہ میں پون صدی کے اکابرین اور مشائخ کے خطوط جمع ہیں۔ اور ایسے ایسے لوگوں کے خطوط ہیں جن کے بارے میں گمان بھی نہیں ہوسکتا کہ وہ مولانا عبدالحقؒ یا مجھے خط لکھیں گے۔ مثال کے طور پر حفیظ جالندھری کا اکوڑہ خٹک سے کیا تعلق ہوسکتا ہے؟ لیکن اس مجموعے میں ان کے خطوط کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ اسی طرح اس مجموعہ میں ڈاکٹر سید محمد عبداللہ، زیڈ اے سلہری، م۔ش...... اور دوسرے کئی صحافی حضرات کے خطوط محفوظ ہیں۔

ان سب حضرات نے مجھے جو خطوط لکھے وہ میرے خط کے جواب میں لکھے یا پھر ان کے جواب میں جس نے بھی خطوط تحریر کئے۔ چونکہ میں سمجھتا تھا کہ میرے جوابات کی کوئی علمی حیثیت نہیں۔ اسلئے میں نے وہ خطوط ضائع کردیئے۔ لیکن اب مولانا تقی عثمانی اور دوسرے حضرات اس بات پر خفا ہوتے ہیں، کہ تم نے وہ جوابات یا خطوط کیوں ضائع کردیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ موجود ہوتے، تو ان کے لئے بھی سات جلدیں درکار ہوتیں ظاہر ہے ان خطوط میں، میں نے بھی اپنے احساسات و جذبات ظاہر کئے۔

بہر حال میں آپ سب حضرات کا بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ یہاں آئے اور میرے کام کو پذیرائی بخشی، آپ کی گفتگو سے میرا حوصلہ بڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب حضرات کے جذبات کو قبول فرمائے۔

موجودہ دور کا المیہ یہ ہے کہ موبائل اور ایس ایم ایس سے خطوط کا یہ دور ختم ہوگیا، خطوط میں لوگوں کے دلی جذبات اور احساسات ہوتے تھے، مگر موبائل نے یہ سب کچھ ختم کردیا اور بڑے بڑے دینی مدرسوں اور دارالعلوموں کے طلباء اظہار کے ذریعے سے محروم ہوگئے۔ اور ان سے قلم نہیں اٹھایا جاتا۔ لہٰذا ہمیں اپنے اپنے اداروں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور اخبارات اور ان کے کالموں میں اس بات کا زور دینا چاہیے کہ تاریخ انسانیت میں اظہار کا یہ طاقت اور ذریعہ ختم نہیں ہونا چاہیے۔ مبادا کہ یہ سلسلہ مکمل طور پر ختم ہوجائے۔ یہ بے حس اور بے الم سم ہمارے جذبات ختم نہیں کرسکتی۔ پہلے ہر مہینے کئی کئی خطوط آتے تھے اور اب کئی کئی مہینوں میں دو چار خط آتے ہیں۔

میں آپ سب حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ حضرات یہاں آئے اور میری قدر افزائی کی۔

آخر میں حضرت مولانا فضل الرحیم نے فرمایا کہ حضرت مولانا صاحب آپ اس وقت علمائے کرام کو آپس میں ملانے اور جوڑنے پر توجہ مبذول فرمائیں اور انہیں عالمی رابطہ ادب اسلامی کی کمیٹی کا اعزازی صدر بنانے کا بھی اعلان کیا۔ بعد ازاں انہوں نے دعا کرائی اور اجلاس اختتام پذیر ہوگیا۔